روایاتِ سیرت وحدیث میں تعارض اور اصولِ ترجیح

عثمان احمد *

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے واقعات و حالات اور ان سے منسلک اسباب و احوال کی تاریخ کو سیرت کہا جاتا ہے۔ اگر امہات کتبِ سیرت کے محتویات ومشمولات کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر بالکل واضح ہے کہ سیرت نگاروں نے سیرتِ نبویہ کی تحریر میں اس کی تاریخی حیثیت کو مدنظر رکھا اور کسی بھی واقعہ کی مکمل شکل کو بیان کرنے کے لیے دستیاب مواد کو ایک منطقی /زمانی ترتیب کے مطابق بیان کیا ۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو کتبِ سیرت میں تاریخیت کے تناظر میں پوری جزئیات سے بیان کرنا اس لیے لازمی تھا کہ

(الف) نسلِ انسانی کی مختلف اقوام ،ان کی تشکیل چاہے مذہبی، نسلی لسانی یا علاقائی ہو اپنی عظمت کو اپنی تاریخ کے ذریعے ثابت کرتے ہیں ۔ان کے نزدیک تاریخ ایک ایسی دستاویز ہوتی جو قوموں کے مابین خط امتیاز کھینچتی ۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات وہ اپنی عظمت کے تاریخی اثبات کے لیے اپنے تعلق کو تاریخ کے ممتاز اور کامیاب لوگوں یا گروہوں سے جوڑنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ گویا تاریخ قوموں کا مسلمہ نصاب بھی ہوتی اور مصدر واستدلال بھی ۔اس لیے یہ ضروری تھا نبی کریم ﷺ کی سیرت کا کامل بیان تاریخی اسلوب میں تکمیل وتفصیل کے ساتھ بیان ہو۔ سیرت نگاروں نے اسی اعتبار سے جزئیات کے ساتھ تاریخ نبویہ ﷺ بیان کر کے اقوام عالم کے مقابل سیرت محمدیہ ﷺ کو تاریخی حقیقت باور کروایا۔

(ب) کسی شخص یا قوم کی تاریخ کے گم شدہ حقائق (Missing Facts) جہاں کسی شخصیت یا قوم کی مکمل عکاسی وتفہیم میں رکاوٹ بنتے ہیں وہاں بہت سے مغالطوں کو جنم دیتے ہیں۔اگر کسی شخص کی قیادت میں کسی قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا اور ان سے جنگ کرنا معلوم ہو لیکن اس حملہ زنی کے حقیقی اسباب وعلل تاریخی مواد سے معلوم نہ ہوں تو قیاسی وتخمینی اسباب وعلل کے بیان سے دونوں طرح کے تجزیے ممکن ہوتے ہیں ۔ چاہے تو اس جنگ کو عادلانہ بنا دیں اور چاہیں تو ظالمانہ۔کسی قوم کی تاریخ میں تحریف وتصحیف کے مسایل بہت بھی المیہ ہیں لیکن ان کا ازالہ ممکن ہے اصل اور سب سے بڑا المیہ یہ ہوتا کہ اس کی تاریخ یا اس کے ضروری حقائق گم ہو جائیں۔سیرت نگاروں نے اس اعتبار سے تاریخ نبویہ کی تدوین کی ایک شاندار کوشش کی ۔ انہوں نے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جزئیات کی

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

فراہمی میں بہت کد وکاوش کی ۔ ان کی کد وکاش کا نتیجہ ہے امت مسلمہ من حیث المجموع تاریخ کے گم شدہ حقائق (Missing Facts) کے مسئلے سے دوچار نہیں گو کہ بعض مقامات و واقعات اس مسئلے سے مستثنیٰ نہیں۔سیرت نگاروں نے اگر تاریخ نبویہ کو محفوظ کرنے کے لیے کثرت روایات کے ذریعے جزئیات نگاری سے کام نہ لیا ہوتا تو امت مسلمہ بہت بڑے علمی ذخیرے سے محروم ہوکر مسایل کا شکار ہوتی۔

(ج) روایاتِ سیرت کی محفوظیت کے لیے سیرت نگاروں نے کثرتِ روایات کے اصول (Priciple of multitudinious traditions) کو اپنایا۔اور متضاد ومتخالف روایات کو بھی نقل کرنے سے گریز نہیں کیا۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ انہیں خود تضاد وتعارض کا علم نہیں تھا یا وہ راویوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے یا متعارض ومتخالف روایات کے باعث کسی بھی نقطہء نظر کے حامل نہیں تھے یا ان کے اخذ وترجیح کے اصول نہ تھے۔یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کثرت روایات کے علاوہ تاریخ کی محفوظیت کا اور کوئی طریقہ نہیں ہوتا اگر

(۱) قدیم سیرت نگار اپنے لیے موضوعات سیرت میں ایک کو اختصاصی بنا کر اس سے متعلق روایات کی تدوین کرتے تو بہت سی روایات آج ہم تک نہ پہنچتی۔

(۲) ہر سیرت نگار اگر نقد وجرح کے اپنے اجتہادی اصولوں کو اپنا کر بہت سی روایات کو ترک کر دیتا تو سیرت کی محفوظیت اس طرح ممکن نہ ہو پاتی۔ کیونکہ ہر فرد کے اصول نقد وجرح اپنے ذاتی اجتہادی ہوتے جو دوسرے سے مختلف ہوتے اور اس کا نتیجہ روایات کا نقل نہ ہونا ہوتا۔

(۳) اگر قدیم سیرت نگار اپنے اپنے کلامی، فقہی یا سیاسی مسلک کو مدنظر رکھ کر روایات کو جمع کرتے تو آج ہم روایاتِ سیرت کے معاملے میں تہی دست وتہی دامن ہوتے۔

(۴) اگر قدیم سیرت نگار اپنے تحقیقی اصولوں کے مطابق جمع وتدوین کا کام کرتے تو علم سیرت کی تشکیل میں ادھورا پن رہ جاتا۔

چنانچہ سیرت نگاری اسلامی تاریخ نگاری کا ایک اختصاصی موضوع ہے جو خود ایک علیحدہ اور مستقل علم کی شکل میں وجود پاکر مستحکم ہو گیا۔ حفاظتِ سیرت سے متعلق سیرت نگاروں کی مساعی سے متعلق اس اصولی گفتگو کے بعد ہم اپنے موضوع سے متعلق کچھ اساسی امور کو زیر بحث لاتے ہیں ۔

علمِ حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریر اور اوصاف کا ذکر ہوتا ہے لیکن علم حدیث میں روایات کا مقصود تشریعیت ہے جب کہ سیرت میں روایات کا مقصود تاریخیت ہے۔علم حدیث میں جہاں کہیں تاریخیت کی ضروت پیش آتی ہے تو محدثین کو سیرت نگاروں کی روایات سے اخذ وقبول کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔علم

حدیث میں علمِ تاریخ وسیرت کی ضرورت ان وجوھات کے باعث ہوتی۔

۱۔ اسباب ورودِ حدیث کے جاننے کے لیے۔ کسی قول یا فعل کا سببِ ورود جان لینے کے بعد اس کی معنویت کی تفہیم میں آسانی ہو جاتی۔ اسی لیے شارحین حدیث نے اپنی تصنیفات میں حدیث کی شروح میں بکثرت کتبِ سیرت سے اعتناء کیا ہے۔

۲۔ ناسخ ومنسوخ کی تعیین کے لیے تاریخی معلومات کا ہونا لازم ہے۔

۳۔ معاندین ومشککین کے اعتراضات واشکالات کے جواب وتردید کے لیے روایات کی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے۔ اسباب وعلل کے جاننے کے بعد واقعات کی توجیہ وتاویل آسان ہو جاتی ہے۔

تعارض روایاتِ حدیث وسیرت میں اصول ترجیح

اگر تاریخی امور میں روایاتِ حدیث وروایاتِ سیرت یا روایاتِ حدیث میں باہم میں تعارض وتناقض کی صورت پیدا ہو جائے تو روایاتِ سیرت کو ترجیح حاصل ہو گی یا ان کو وجہ ءترجیح بنایا جائے گا۔ روایاتِ حدیث کی تشریعیت ان کا وجہ اختصاص ہے اور روایاتِ سیرت کی تاریخیت ان کا امتیاز ہے۔

یہ اصول قدیم علماء میں سب سے زیادہ واضح طور پر علامہ سیوطیؒ کے ہاں مستنبط ہوتا ہے اور برصغیر کے سیرت نگاروں میں مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری (۱) اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے ہاں اس اصول کی تصریحات موجود ہیں۔

علامہ سیوطیؒ رسول اللہ ﷺ کے والدین کے ایمان کی بحث کرتے ہوئے دیگر استدلالات کے ساتھ ساتھ صحیح مسلم کی روایت پر دیگر روایات جو اکثر متونِ حدیث کے علاوہ ہیں، گویا سیرت وتاریخ سے ہیں، کو ترجیح دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے والدین کے مؤمن ہونے کی روایت کو قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ مسلم کی روایت استناد کے اعتبار سے اصح ہے لیکن کسی کا ایمان لانا یا نہ لانا ایک تاریخی حقیقت ہوتی ہے نہ کی تشریعی مسئلہ۔ اس لیے سیوطی نے اس مسئلہ میں تاریخیت کو ترجیح دی ہے گو کہ اس کا اصل محرک تو حبِّ رسول ہے لیکن علمی وجہ مسئلہ کا تاریخی ہونا ہے۔ گو سیوطی نے صراحتاً تاریخیت کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کا اسلوبِ استدلال اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس مسئلہ کے استدلال کی تاریخی جہات یہ ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے والدین نے زندگی میں کبھی شرک اور بت پرستی اختیار نہیں کی۔ اس کا جاننا تاریخ کے علم پر موقوف ہے اور یہ امر تاریخی حقائق سے ہے نہ کہ تشریعی مسایل سے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے والدین کو زندہ کر کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا موقع دیا گیا یہ بات بھی تاریخی حقایق

سے متعلق ہے نہ امر تشریعی ہے

قدیم سیرت نگاروں میں عبدالرحمان السھیلی نے الروض الانف فی شرح السیر ۃ النبویۃ لابن ہشام میں سب سے پہلے یہ موقف اختیار کیا ہے۔(۲)

والدینِ رسول اللہ ﷺ کے ایمان پر اختلاف کرنے والوں کے بارے میں سیوطی لکھتے ہیں:

"المجادلون فی هذا الزمان کثیر خصوصا فی هذه المسئلة و اکثرهم لیس لهم معرفة بطرق الاستدلال "(۳)

اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے سیوطی لکھتے ہیں:

''ہمارے مخالفین میں سے زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں صحیح حدیث سے تمہارے اس دعویٰ کے برخلاف ثابت ہوتا ہے۔

اگر یہ کہنے والا ہمارا ہم مسلک، یعنی شافعی المسلک ہوتو میں اس سے کہوں گا کہ صحیح مسلم میں، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں بسم اللہ الرحمان الرحیم نہیں پڑھی اور تم بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھے بغیر نماز درست نہیں سمجھتے ہو۔اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

امام کو امام اقتداء کے لیے بنایا جاتا ہے، لہذا تم اس سے اختلاف نہ کرو اگر وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو مگر جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا تو تم اسی کی طرح سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہو (اس کی اقتدا نہیں کرتے)۔ جب وہ کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کے نماز پڑھتا تو تم اس کی اقتداء میں بیٹھ کر نہیں پڑھتے ہو۔اسی طرح صحیحین میں تیمّم کی حدیث میں ہے کہ تجھے کافی ہے کہ تو اپنے ہاتھ سے اس طرح کرے پھر آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ہی ہاتھ زمین پر مارا اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا اور دونوں کی پشت اور چہرے کا مسح کیا۔جب کہ تم تیمّم میں ایک مرتبہ ہاتھ کی ضرب کو کافی نہیں سمجھتے ہو اور نہ ہی ہاتھ کا مسح کلائی تک کافی سمجھتے ہو سو تم نے ان احادیث کی جو صحیحین میں یا ان دونوں میں سے ایک میں موجود ہیں، مخالفت کی۔ پھر اگر اس کے پاس ذرہ برابر بھی علم ہوگا تو کہہ اٹھے گا ہمارے پاس ایسی دلیلیں جو ان کے خلاف اور ان پر مقدم ہیں تو میں اس کے جواب میں کہوں گا ٹھیک ہے۔زیر بحث مسئلہ میں بھی ایسا ہے۔

اس کے بعد سیوطی مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے ان مسایل کا ذکر کرتے ہیں جو صحیحین میں موجود احادیث کے خلاف ہیں اور پھر اسی انداز میں رد کرتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا (۴)

اس اصول کی تائید میں درج ذیل امثلہ پیش کی جاتی ہیں۔

مثال اول: رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ

امام بخاری نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے ازواج نبی ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ہم سے کون جلد آپ کو ملنے والا ہے؟ فرمایا جس کا ہاتھ تم میں سے سب سے زیادہ لمبا ہے۔ سب ہاتھوں کی پیائش کرنے لگیں۔ سب سے لمبا ہاتھ ان میں سے حضرت سودہؓ کا تھا۔ ہمیں بعد میں سمجھ میں آئی کہ وہ صدقہ کرنے کے اعتبار سے لمبے ہاتھ والی تھیں۔ اور وہ ہم میں سب سے جلد رسول اللہ ﷺ کو ملنے والی تھیں۔(۵)

اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ حضرت سودہؓ تھیں۔ حالانکہ اہل سیر کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کا انتقال پہلے ہوا اور حضرت سودہؓ کا انتقال بعد میں ہوا۔(۶)

ابن حجر الشیخ محی الدین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اجمع اهل السير على ان زينب اول من ماتت من ازواجه"(۷)

اہل سیرت کا اس پر اتفاق ہے کہ ازواج رسول ﷺ میں سب سے پہلے وفات حضرت زینب کی ہوئی۔

ابن بطال اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

"لا خلاف بين اهل الاثر والسيران زينب اول من مات من ازواج النبی ﷺ" (۸)

اہل روایات و اہل سیرت کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلے انتقال کرنے والی زوجہ ہیں۔

بخاری کے خلاف امام مسلم نے حضرت عائشہؓ سے جو روایت نقل کی ہے وہ زینب بنت جحشؓ کے انتقال سے متعلق ہے۔(۹)

چونکہ یہ مسئلہ تاریخی ہے۔ اس کا تشریع سے تعلق نہیں ہے اس لیے اہلِ سیر کی روایات مرجعِ ترجیح اور وجہء ترجیح ہوں گی۔ بخاری کی روایت کو اس تاریخی مسئلہ میں ترجیح حاصل نہیں ہوگی مسلم کی روایت کو راجح مانا جائے گا۔

مثال دوم: حضرت ابوسفیانؓ کے مقامِ وفات کی تعیین

امام بخاریؒ نے زینب بنت ابی سلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ام حبیبہؓ کو شام میں حضرت ابوسفیانؓ کے وفات پا جانے کی خبر پہنچی تو انہوں صرف تین دن سوگ منایا۔(۱۰)

امام مسلم اور دیگر نے بھی یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں شام کا ذکر نہیں۔(۱۱) جب کہ اہل سیر کے ہاں یہ ثابت شدہ بات ہے جناب ابوسفیانؓ کا انتقال مدینہ میں ہوا۔(۱۲)

ابن حجر اس روایت پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فی قوله من الشام نظرلان ابا سفیان مات بالمدینة بلا خلاف بین اهل العلم بالاخبار"(۱۳)

ان کے قول میں شام کا ذکر محل نظر ہے کیونکہ اس امر میں اہل تاریخ کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ کا انتقال مدینہ میں ہوا۔

بخاری کی روایت میں جس مسئلہ کا تعلق تاریخ سے ہے اس کے بارے اہلِ سیر کی روایت فیصلہ کن سمجھی جائے گی۔اس میں مذکور شام میں انتقال کو کسی راوی کی خطا پر محمول کیا جائے گا۔

مثال سوم: حضرت فاطمہؓ کے گھر کی جگہ کی تعیین

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ کے مطابق ایک دن رسول اللہ ﷺ خاموشی سے بنوقینقاع کے بازار کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت فاطمہ کے گھر کے صحن میں تشریف فرما ہوئے۔(۱۴)

یہ مسلمہ تاریخی حقیقت ہے حضرت فاطمہؓ کا گھر یہود کے قبیلے بنوقینقاع کے علاقے میں نہیں تھا۔اہل سیر کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں۔تاریخ الخمیس میں ہے۔

کان بیت فاطمةفی موضع مخرج النبی ﷺ و کانت فیه کوة الی ٰبیت عائشةؓ(۱۵)

حضرت فاطمہؓ کا گھر رسول اللہ ﷺ کے گھر کی گزرگاہ کے مقام پر تھا اور اس میں ایک کھڑکی حضرت عائشہ کے گھر کی طرف کھلتی تھی۔

وفاءالوفاء میں ہے:

کان باب بیت فاطمة بنت رسول اللهﷺ فی المربعة التی فی القبر(۱۶)

حضرت فاطمہ کا گھر اسی احاطہ میں تھا جہاں قبر مبارک ہے۔

ابن حجر بخاری کی اس حدیث پر داؤدی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سقط بعض الحدیث عن الناقل او دخل حدیثا فی حدیث(۱۷)

راوی سے حدیث کچھ حصہ ساقط ہو گیا ہے یا اس نے ایک حدیث کو دوسری سے ملا دیا ہے

امام مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس میں بنوقینقاع جانے اور ثم انصرف کے الفاظ ہیں۔یعنی وہاں سے لوٹے اور

پھر حضرت فاطمہؓ کے گھر آنے کی بات ہے۔(۱۸) بخاری ومسلم کی احادیث میں چونکہ ایک تاریخی مسئلہ بیان ہوا لہذا ترجیح کے لیے روایاتِ سیرت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔اس حوالے سے ان کی بات کو فیصلہ کن حیثیت دی جائے گی۔

مثال چہارم: رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک

امام مسلم نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر پینسٹھ سال تھی(۱۹)امام مسلم نے ہی حضرت عائشہؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایات نقل کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی(۲۰)

نبی ﷺ کی عمر مبارک کی تعیین کا مسئلہ تشریعی نہیں، تاریخی ہے۔اس لیے ان متعارض روایاتِ احادیث میں ترجیح اس روایت کو دی جائے گی جن کی تائید روایاتِ سیرت سے ہوگی۔علماءِ سیرت کے ہاں یہ مسلمات میں سے ہے کہ نبی ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔چنانچہ ابن سعد نے تریسٹھ سال کی عمر کے بارے کہا ہے هو الثبت ان شاء الله۔(۲۱)

اور الذھبی نے کہا ہے۔ و هو الصحيح الذى قطع به المحققون (۲۲) (یہ بات درست ہے اور محققین نے اسے قطعیت کا درجہ دیا ہے)

مثال پنجم: حضرت ابوسفیانؓ کا اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں دینا

صحیح مسلم میں سند عالی کے ساتھ عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ مسلمان ملنے بیٹھنے سے گریز کرتے تھے۔حضرت ابوسفیانؓ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ میرے پاس تین چیزیں ہیں جو آپ کو دیتا ہوں۔اس میں ایک میری بیٹی حضرت ام حبیبہ ہیں جو احسن العرب واجملہ ہیں۔آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیان کی تجویز کو قبول کیا اور حضرت ام حبیبہ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔(۲۳)

اس کے مقابلے میں اہل سیرت کا اس پر اتفاق ہے کہ

(الف)۔حضرت ام حبیبہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے حبشہ میں ہوا۔(۲۴)

(ب)حضرت ابوسفیانؓ اس نکاح کے وقت مسلمان نہیں تھے اور مسلمانوں کے محارب تھے۔حضرت ابوسفیانؓ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا جو ۸ ہجری میں ہوئی۔(۲۵)

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

"واعلم ان هذا الحديث من الاحاديث المشهورة بالا شكال ووجه الاشكال ان ابا

سفیان انما اسلم یوم فتح مکة سنة ثمان من الهجرة و هذا مشهور لا خلاف فیه وکا ن النبی ﷺ قد تزوج ام حبیبة قبل ذالك بزمان طویل"(۲۶)

جان لو کہ یہ حدیث ان معروف احادیث میں سے ہے جو اپنے اشکال کے باعث مشہور ہیں۔ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ ابوسفیانؓ نے بلاشبہ فتح مکہ کے دن، آٹھ ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اور یہ مشہور بات ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ جب کہ نبی ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح اس سے بہت عرصہ قبل فرمایا۔

لہذا اس روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اہل سیرت کی رویات کی روشنی میں اس روایت کو راویوں کا تسامح اور بھول سمجھا جائے گا۔ جمہور محدثین نے اس روایت کو قبول نہیں کیا۔(۲۷)

مثال ششم: بخاری میں واقعہء افک کی روایت اور حضرت سعد بن معاذ کی موجودگی کا ذکر

امام بخاری کی روایت ہے کہ افکِ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں فرمایا کہ کون ہے جو ان منافقوں کے مقابلے میں مستعد ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں مستعد ہوں۔(۲۸)

اصحاب سیرۃ کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں۔ کیونکہ حضرت سعد بن معاذ کا غزوہء احزاب کے بعد بنی قریظہ کا فیصلہ کر کے انتقال ہو گیا تھا۔ اور صحیح یہ ہے کہ غزوۃ بنی المصطلق (غزوہء مریسیع) جس میں افک کا واقعہ ہوا وہ بعد میں ہوا۔ اس لیے سعد تو افک کے وقت موجود ہی نہیں تھے۔(۲۹)

ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس حدیث کے بارے لکھا ہے

"فقام اسید بن الحضیر فقال: انا اعذرك منه فرد علیه سعد بن عبادة ولم یذکر سعد بن معاذ قال ابو محمد بن حزم: وهذا هو الصحیح لا شك فیه و ذکر سعد بن معاذ وهم، لان سعد بن معاذمات اثرفتح بنی قریظة بلا شك، وکانت فی آخر ذی القعدة من السنة الرابعة، وغزوةبنی المصطلق فی شعبان من السنة السادسة بعد سنة و وثمانیه اشهر من موت سعد، وکانت المقاولة بین الرجلین المذکورین بعد الرجوع من غزوةبنی المصطلق بازید من خمسین لیلة،قلت: الصحیح ان الخندق کان فی سنة خمس"(۳۰)

''(حضرت عائشہ سے ایک روایت میں الفاظ ہیں) پھر اسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں آپ کی طرف سے اس کو جواب دیتا ہوں تو اس کی سعد بن عبادہؓ نے تردید کی۔ اس

روایت میں سعد بن معاذ کا ذکر نہیں (بلکہ اسید بن حضیر کا ذکر ہے) ۔ابو محمد ابن حزم کا قول ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی صحیح ہے اور سعد بن معاذ کا ذکر وہم ہے۔ کیونکہ سعد بن معاذ کا انتقال بلاشک فتح بنی قریظۃ کے فورا بعد ہو گیا۔ یہ ۴ ھجری ذی قعدہ کے مہینے کے آخر کی بات ہے۔ جبکہ حضرت سعد کی وفات کے ایک سال آٹھ ماہ بعد غزوہ بنی مصطلق شعبان ۶ ہجری میں ہوا۔ان دونوں افراد کے مابین تکرار غزوہ بنی مصطلق سے واپسی سے پندرہ راتوں سے زیادہ وقت گزر جانے کے بعد ہوا۔(ابن قیم کہتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں غزوہء خندق پانچ ہجری میں ہوا''

امام ابن حزمؒ اور علامہ ابن قیمؒ دونوں کی رائے میں بخاری کی اس روایت میں سعد بن معاذ کا ذکر وہم پر مبنی ہے۔

ان امثلہ سے روایاتِ سیرت کا اپنی تاریخی حیثیت میں روایاتِ حدیث پر راجح ہونا ثابت ہوتا ہے۔لہذا اگر کسی تاریخی مسئلہ میں روایات حدیث و روایات سیرت میں تعارض ہو اور تطبیق و توفیق ممکن نہ ہو تو روایاتِ سیرت کو ترجیح دی جائے گی۔اس اصول کے ذیلی جزئیات میں استثناء ممکن ہے لیکن اصل الاصول کے طور پر یہ اصول ہی قدیم محقق علماء کے پیش نظر رہا ہے۔(۳۱)

حوالہ جات وحواشی

(۱) دانا پوری، ابوالبرکات عبدالرؤف، اصح السیر، مکتبہ ندوہ، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۸۔۱۱

(۲) السھیلی، عبد الرحمان بن عبد اللہ، ابو القاسم، الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ، تحقیق: عمر عبد السلام السلامی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۱ھ، ج ۲، ص ۱۲۱

(۳) السیوطی، جلال الدین، مسالك الحنفاء فی والدی المصطفیٰ، تحقیق: محمد زینھم محمد عزب، دار الامین، قاہرہ، طبع اول، ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء، ص ۸۲

(۴) ایضاً، ص ۸۳۔۸۵

(۵) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۲ھ، حدیث نمبر ۱۴۲۰، ج ۲، ص ۱۱۰، باب صدقة الشحيح الصحيح

(۶) ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد، البصری، البغدادی،الطبقات الکبریٰ،تحقیق: محمد عبد القادعطا، دار الکتب العلمیہ بیروت،طبع اول۱۹۹۰ء، ج۸،ص۴۴
؛القسطلانی،احمد بن محمد بن ابی بکر،المواهب اللدنیه با لمنح المحمدیه،المکتبۃ التوفیقیۃ،القاہرۃ، ج۱،ص۴۹۷
(۷) ابن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی، العسقلانی، فتح الباری،تحقیق، تخریج وتعلیق: محمد فؤاد عبدالباقی، محبّ الدین الخطیب، عبدالعزیز بن باز، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج۳،ص۲۸۷
(۸) ابن بطال، ابوالحسن علی بن خلف،شرح صحیح البخاری،تحقیق: ابوتمیم یاسر بن ابراھیم،مکتبۃ الرشد، الریاض، طبع دوم،۲۰۰۳ء، ج۳،ص۴۱۸
(۹) جامع الصحیح المسلم، النیسابوری، مسلم بن الحجاج،تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت،حدیث نمبر۲۴۵۲، ج۴،ص۱۹۰۷، باب من فضائل زینب)
(۱۰) جامع الصحیح للبخاری، حدیث نمبر۱۲۸۰، باب احداد المراۃ علیٰ غیر زوجھا، ج۲،ص۷۸
(۱۱) جامع الصحیح المسلم، ج۲،ص۱۱۲۳، حدیث:۱۴۸۶
(۱۲) المزی،ابوالحجاج،یوسف بن عبدالرحمان، جمال الدین ابن الزکی،تہذیب الکمال فی اسماء الرجال،تحقیق: بشارعواد معروف، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت،طبع اول،۱۹۸۰ء، ج۱۳،ص۱۲۱، النووی، ابوزکریا محی الدین یحیٰی بن شرف،تہذیب الاسماء واللغات، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ج۲،ص۲۴۰
(۱۳) فتح الباری۔ج۳،ص۱۴۷
(۱۴) الصحیح البخاری۔حدیث نمبر۲۱۲۲، باب ماذکر فی الاسواق، ج۳،ص۶۶
(۱۵) بکری،حسین بن محمد بن الحسن الدیار، تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس، دار صادر بیروت، ج۱،ص۳۴۷، ط۔ن
(۱۶) السمھودی،علی بن عبداللہ،نورالدین،ابوالحسن،وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت،طبع اول، ۱۴۱۹ھ، ج۲،ص۴۶
(۱۷) فتح الباری، ج۴،ص۳۴۱
(۱۸) مسلم،حدیث نمبر۲۴۲۱، باب فضائل الحسن و الحسین، ج۴،ص۱۸۸۲
(۱۹) مسلم، حدیث نمبر۲۳۵۳،باب کم اقام النبی بمکۃ، ج۴،ص۱۸۲۷
(۲۰) ایضاً، احادیث نمبر۲۳۴۹،۲۳۵۰،۲۳۵۱،۲۳۵۲، باب کم اقام النبی بمکۃ، ج۴،ص۱۸۲۵ تا ۱۸۲۷
(۲۱) طبقات ابن سعد، ج۲،ص۲۳۶،فصل: ذکر سنّ رسول اللہ ﷺ
(۲۲) الذھبی، شمس الدین، ابوعبداللہ محمد بن احمد،سیر اعلام النبلاء،تحقیق:مجموعۃ من المحققین باشراف

الشیخ شعب الارنائوط، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، طبع ثالث ۱۹۸۵ھ، ج ۲، ص ۴۷۶؛ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱۲، ص ۳۰۸

(۲۳) الصحیح المسلم، حدیث نمبر ۲۵۰۱، باب من فضائل ابی سفیان بن حرب، ج ۲، ص ۱۹۴۵

(۲۴) المواھب اللدنیہ، ج ۱، ص ۵۵۵؛ الزرقانی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی، المالکی، شرح الزرقانی علی المواھب، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول، ۱۹۹۶ء، ج ۲، ص ۳۳؛ السھیلی، ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ، الروض الانف، تحقیق: عمر عبد السلام السلامی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ج ۲، ص ۲۳۰

(۲۵) ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام الحمیر ی، المعافری، السیرۃ النبویہ، تحقیق: مصطفیٰ سقا، ابراھیم الابیاری، عبد الحفیظ الشلبی، شرکۃ مکتبہ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر، طبع دوم، ۱۹۵۵ء، ج ۲، ص ۳۹۶، ۴۰۲

(۲۶) النووی، ابو زکریا محی الدین یحیٰ بن شرف، المنھاج شرح صحیح مسلم بن حجاج، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع دوم، ۱۳۹۲ھ، ج ۱۶، ص ۶۳

(۲۷) دانا پوری، ابو البرکات عبد الرؤف، اصح السیر، مکتبہ ندوہ، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۱

(۲۸) الصحیح البخاری، باب تعدیل النساء بعضھن بعضا، ج ۳، ص ۱۷۳

(۲۹) المواھب اللدنیہ۔ ج ۱، ص ۲۹۹، ابن الجوزی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمان بن علی، المنتظم فی تاریخ الملوك و الامم، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ج ۳، ص ۲۴۵

(۳۰) ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن ابی بکر بن ایوب، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، طبع : ستائیس، ۱۹۹۴ء، ج ۳، ص ۲۳۸

(۳۱) امثلہ کے لیے یہ کتاب بنیادی مصدر ہے

Israr Ahmad Khan, Authentication of Hadith. Redefining The Criteria, International Institute of Islamic Thought London, 2010, PP: 118-126

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆